(غلام گردش)

ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں!

عید کی نماز کے بعد، امام نے بڑی رقت کے ساتھ فلسطین، کشمیر اور دنیا میں ہر جگہ مظلوم مسلمانوں کیلئے دعا کروائی۔ مسجد میں ہر شخص نے ظاہری خلوص کے ساتھ آمین کہا۔ دعا کے بعد، تمام لوگ جیسے آئے تھے، ویسے ہی گھر چلے گئے۔ واپسی پر سوچ رہا تھا کہ پہلی بار، کشمیر، فلسطین کی آزادی کے متعلق دعائیں کہاں سنی تھیں، بلکہ کب سنی تھیں۔ بالکل یاد نہیں آسکا۔ گمان تھا، شائد چالیس سال یا شائد پچاس برس پہلے۔ قطعی جواب حاصل نہ کرنے کے بعد، خود ہی اپنی خاموشی میں ڈوب گیا۔ رات کو یاد آیا کہ جناح کالونی کی بغدادی مسجد میں نماز پڑھنے گیا تھا۔ شائد پہلی بار وہاں۔ نماز پڑھانے والے، ایک بھاری بھرکم سے بارعب انسان تھے۔ کالی اور سفید بالوں والی داڑھی۔ سر پر سفید ٹوپی اور بدن پر صاف ستھرا لباس۔ شام کی نماز کے بعد، مولانا صاحب نے کافی لمبی دعا کروائی۔ اس میں کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کے حالات بہتر کرنے کے متعلق بڑے جذباتی الفاظ موجود تھے۔ یہ شائد 1969 کی بات ہے یا 1970 کی۔ وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔ ویسے اب تو یہ لگتا ہے کہ کوئی بھی بات، وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ لاعلمی کا احساس حد درجہ بڑھ چکا ہے۔

بہرحال کیڈٹ کالج حسن ابدال میں پانچ برس، کالج کی مسجد کے خطیب صاحب، ہر نماز کے بعد بڑی دکھ بھری آواز میں دنیا کے مسلمانوں کے حالات بہتر ہونے کی دعا مانگتے تھے۔ میری عمر اس وقت بارہ برس تھی۔ آٹھویں کا طالبعلم تھا۔ پورے پانچ سال، یعنی ایف ایس سی کے اختتام تک میں ہر نماز کے بعد، بالکل ایک جیسے الفاظ سنتا رہا۔ اب ساٹھ سال کی عمر میں بعینہ وہی دعائیں سن رہا ہوں۔ پہلے ذہن میں کبھی یہ سوال نہیں آیا کہ کسی سے پوچھ سکوں کہ ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں۔ مگر اب یہ سوال بہرحال ذہن میں بجلی کی طرح کوندتا ہے۔ مکمل طور پر بے بس کر ڈالتا ہے۔ میرے پاس کسی قسم کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ عرض کرتا چلوں کہ رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماع میں لاکھوں لوگ شرکت کرتے ہیں۔ یہ افراد، دو تین دن، تطہیر الایمان کیلئے، زمین پر سوتے ہیں۔ دینی فرائض بڑے جذبے سے ادا کرتے ہیں۔ اجتماع کے آخری دن، بڑا ایمان پرور لمحہ ہوتا ہے۔ ہمارے جید ترین مذہبی قائدین، رو رو کر مسلمانوں کی فلاح کیلئے دعا گو ہوتے ہیں۔ مذہبی پیشواؤں کا جذباتی ہونا تو ایک طرف۔ طویل دعا میں لاکھوں لوگ زار و قطار آنسو بہا رہے ہوتے ہیں۔ سسکیوں سے ماحول حد درجہ منفرد ہوتا ہے۔ اتنے زیادہ لوگ ہوتے ہیں کہ واپسی کیلئے، ٹریفک کے خصوصی انتظامات کیے جاتے ہیں۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد، غور کریں تو حالات جوں کے توں رہتے ہیں۔ انیس بیس کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ تمام کاروبار زندگی مکمل طور پر ایسے ہی رواں رہتا ہے، جیسے پہلے چل رہا تھا۔ کشمیر بھی ہندوستان کے تسلط سے آزاد نہیں ہوتا۔ اسرائیل بھی پوری طاقت کے ساتھ، فلسطینی مسلمانوں پر ہر طریقے سے مظالم جاری رکھتا ہے۔ ہاں ایک اور بات۔ آج سے دو تین دہائیاں پہلے، بوسنیا کے مسلمانوں کی بھلائی کے الفاظ بھی سنے جاتے تھے۔ ویسے جو کچھ مظالم بوسنیا اور اسکے اردگرد کے علاقوں میں برپا ہوئے، اس میں عالمی برادری نے باقاعدہ جنگ کر کے مظلوم لوگوں کی مدد کی۔ یہ جنگ ان مغربی ممالک نے کی، جنہیں ہم کافر کہتے ہیں اور جنکے معاشرے مکمل طور پر لادین ہیں۔ بہرحال، مغربی دنیا کی مدد سے، اس خطے میں نئے ممالک وجود میں آئے اور پھر یہ مظالم ختم ہوگئے۔ انکو روکنے کیلئے، کسی مسلمان ملک نے اپنی عسکری

قیادت یا فضائیہ کو مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجنے سے گریز کیا۔ ہاں، لفاظی بہت زیادہ ہوئی۔

اب اس بحث کو ایک اور طرف لیکر جاتا ہوں۔ حج، ہمارے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ مقامِ مقدسہ کی زیارت، ہماری روح کا حصہ ہے۔ داخلی کیفیت کو تبدیل کرنے کیلئے دنیا کا سب سے عظیم اجتماع۔ اسکے آخر میں مسلمانوں کے اتحاد کیلئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ لوگ احرام پہنے، مودب ہو کر امام کی دعائیہ باتیں سنتے ہیں۔ یہ روح پرور نظارہ، پوری دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ لاکھوں آدمی بھی پوری دنیا کے مظلوم مسلمانوں کیلئے آنسوؤں کے ساتھ دعائیں مانگتے ہیں۔ لگتا ہے کہ تھوڑے دن کے بعد، تمام مسلمان ممالک فولاد کی طرح، مظلوم بھائیوں کی مدد کیلئے، متحد ہو جائینگے۔ ہمارے لشکر، ظلم کرنے والوں کی گردنیں مروڑ دینگے۔ مگر اس عظیم اجتماع کے بعد تمام مسلمان ممالک کے داخلی اور خارجی معاملات، بالکل پہلے کی طرح رواں دواں رہتے ہیں۔ مثبت تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ بلکہ تلخ بات یہ ہے کہ سعودی عرب ایک ایسی فوج کی قیادت کر رہا ہے، جو ایک ہمسایہ مسلمان ملک، یعنی یمن کی بیخ کنی میں مصروف ہے۔ یعنی جس ملک میں حج کے موقعہ پر، دعا مانگی جا رہی ہے۔ وہ بذاتِ خود، ان دعائیہ کلمات کی نفی کر رہا ہے۔ پھر کیا مسلم اتحاد اور کون سی یکجہتی۔ تمام مسلم معاشروں اور ممالک پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ بے ایمانی، متضاد شخصیات، فریب، جھوٹ، ریاکاری اور سنجیدہ منافقت، شخصی طور پر بھی موجود ہیں اور ریاستی اعتبار سے بھی۔ یہ ہمارے جیسی ریاستوں کے خمیر میں شامل ہیں بلکہ شائد اب ہمارے ذہنی اور ملکی ڈھانچوں کا لازم جزو بن چکی ہیں۔ عام لوگوں کو علم، تجسس اور ترقی سے انتہائی سفاک طریقے سے دور رکھا گیا ہے۔ ویسے اگر کنویس کو بڑا کر لیں، تو تیسری دنیا کے حالات بالکل یکساں ہیں۔ انکے بربادر ہنے میں مذہب کی تفریق نہیں ہے۔ لیکن ایک بنیادی ردِعمل کا فرق ضرور ہے۔ مسلم ممالک، اپنی پیہم ناکامی کو کسی بھی صورت میں معقولیت سے جواب تلاش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اکثریت ایک انتہائی معصومانہ، پہلے سے تخلیق کردہ جواب کو اصل سمجھتے ہیں کہ ہماری اصل ناکامی، اسلیے ہے کہ ہم اپنے دین سے دور ہیں۔ یہ کسی حد تک درست بھی ہے۔ مگر پھر ان ممالک کے نظام کو پرکھنا پڑتا ہے، جہاں خدا کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ جیسے چین، روس، ویت نام وغیرہ۔ وہاں معاملات بالکل درست ہیں۔

دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی صورت میں، لازم ہے کہ ہمیں تقابلی جائزہ لینا پڑتا ہے۔ ترقی یافتہ ملک کیسے اتنا آگے نکل گئے۔ ہم اتنے پیچھے کیسے رہ گئے۔ وہ کیا عوامل تھے اور ہیں۔ جنہوں نے ہمیں جنگ، بے ترتیبی اور غفلت کی کیلوں سے زمین میں گاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مگر یہ تقابلی جائزہ کرنا اَز حد خطرناک ہے۔ اسلیے کہ اس میں کئی ایسے عوامل بھی سامنے آتے ہیں جن پر ہمارے جیسے معاشروں میں کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ ہاں، ملفوف باتیں ضرور کی جا سکتی ہیں۔ جو سمجھنے والے سمجھ لیں اور نہ سمجھنے والوں کے اوپر سے گزر جائیں۔ اگر ہم دانائی سے سوچیں، جو کہ اَز حد مشکل بنا دیا گیا ہے۔ تو ہم اپنی مشکلات کے ذمہ دار بذاتِ خود ہیں۔ کوئی بھی عالمی طاقت ہمیں موروثی بادشاہت یا خاندانی جمہوریت پر مجبور نہیں کرتی۔ دنیا کا کوئی بھی بین الاقوامی مضبوط ملک، ہمیں مالیاتی، اخلاقی اور سماجی کرپشن کا سبق نہیں دیتا۔ اس کام کیلئے ہم خود ہی کافی ہیں۔ کسی بھی مسلمان ملک کو لے لیجئے۔ آپکو ان معاشروں میں رکی ہوئی ترقی کے اسباب تقریباً یکساں محسوس ہونگے۔ سب کچھ چھوڑ دیجئے۔ اپنے ملک کے نظام کو سامنے رکھ کر معاملات کی گتھی سلجھانے کی کوشش کریں۔ چودہ طبق روشن

ہو جائینگے۔جس وقت برصغیر کو تقسیم کیا گیا تھا۔تو ہمارے بزرگوں کے ذہن میں تھا کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہوگا، جہاں مسلمانوں کو مذہبی، اقتصادی اور سماجی آزادی ہوگی۔اپنے دین کے مطابق عملی زندگی گزارنا ممکن ہوگا۔کوئی دوسرا فریق، زبردستی ہم پر حکومت نہیں کریگا۔معاشی انصاف ہوگا۔ بلکہ ہر شعبہ میں بھرپور انصاف ہوگا۔مگر آج تعصب کے بغیر سوچیے تو کیا جواب ملتا ہے۔ان میں ایک بھی اُصول پر پابندِ کار نہیں ہو پائے۔مذہبی تفریق بڑھ کر ایک دوسرے کی گردن کاٹنے تک جا چکی ہے۔کوئی ایک فرقہ، دوسرے کو مکمل مسلمان تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ ہر فرقہ کی مساجد اور عبادت گاہیں، الگ تو ہیں ہی۔مگر وہ دوسرے فرقے کے مسلمانوں کیلئے کشادہ نہیں۔ایک دوسرے کو کافر قرار دینا عام سی بات ہے۔اور پھر، دوسرے فرقے کے مسلمانوں کو قتل کرنا بھی معمول ہے۔ یہ ہے، وہ مذہبی رواداری اور انسانیت کے اُصول، جنکے لیے ہم نے نیا ملک ترتیب دیا تھا۔کیا واقعی ہم ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں۔کیا ایک دوسرے کے غم میں شریک ہونے والے بھرپور انسان ہیں۔آپکے پاس ہوسکتا ہے کہ اس سوال کا جواب ہو۔مگر کم از کم میرے جیسے طالبعلم کے پاس تو کسی طرح کا معقول جواب نہیں۔

مالیاتی کرپشن کی طرف آیئے۔پاکستان میں ایک بھی امیر آدمی یا متمول خاندان، اپنی دولت کا منبع نہیں بتا سکتا۔کوئی بھی جواب نہیں دے سکتا کہ گزشتہ بہتر برسوں میں اتنا امیر کیسے ہوا۔بے ایمانی کو کاروبار کی منطق بنا دیا گیا ہے۔پرانی حکومتیں سیانی تھیں۔انہوں نے ہر طرح سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔مگر موجودہ حالات ہماری معیشت کو کس طرف لیجاتے ہیں، انکے متعلق کچھ بھی وثوق سے کہنا تقریباً ناممکن ہے۔سینکڑوں لوگوں کو جانتا ہوں۔متمول ہیں۔کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔مگر کاروباری اُصولوں میں بے ضابطگی کو بالکل برا نہیں سمجھتے۔دو نمبر مال کمانے کو شیر مادر سمجھتے ہیں۔جعلی کام، جعلی اکاؤنٹ، ٹیکس سے ہر طریقے سے مفر، اپنے اپنے کاروبار کے بنیادی اُصول گردانتے ہیں۔میرے ایک واقف کاروباری صاحب نے ایک دن عجیب سی بات کی۔انکا لاہور کی لبرٹی مارکیٹ میں بہت بڑا کاروبار ہے۔چین سے کاسمیٹکس منگوا کر پورے پاکستان میں فروخت کرتے ہیں۔ایک دن ملنے آئے تو کہنے لگے کہ الحمدللہ ساری نمازیں پڑھتا ہوں۔زکوۃ بھی دیتا ہوں۔غریبوں کی مدد بھی کرتا ہوں۔مگر ایک بات ضرور کہونگا، کہ کاروبار الگ چیز ہے اور دین مکمل الگ۔انہوں نے باضابطہ طریقے سے کاروبار کے ٹھپ ہونے کی باتیں کیں۔جب انہیں گھر سے باہر چھوڑنے گیا، تو وہ نئی ماڈل کی مرسیڈیز پر تشریف لائے تھے۔اگر کاروبار کم ہونے پر ڈیڑھ کروڑ کی گاڑی رکھی ہوئی ہے تو کامیاب کاروبار پر کیا حالات ہونگے۔یہ سوال بارہا ذہن میں آتا رہا۔مگر مجبوری ہے کہ پوچھ نہیں سکتا۔

یہ درست ہے کہ مسلمان ہر طرح کی ناانصافی اور استحصال کا شکار ہیں۔داخلی انتشار سے لیکر بیرونی طاقتوں کے فریب میں غرق ہیں۔مگر پھر بھی اپنے آپکو ٹھیک کرنے کیلئے تیار نہیں۔شائد اسلیے کہ ان تمام ممالک میں نظام کو بہتر بنانے کیلئے سنجیدہ کوشش کی اجازت ہی نہیں۔انہوں نے اپنے اپنے ملک میں ہر طرح کے ظالم اور مظلوم پال رکھے ہیں۔یہ آزاد تحقیق کو گناہ کا درجہ دے چکے ہیں۔انہیں مظلوم رہنے کا حد درجہ شوق ہے۔مگر ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے یہ نہیں پوچھتا کہ ہماری دعائیں، قبول کیوں نہیں ہوتیں!

راؤ منظر حیات